Fikr-o-Nasar (Islamabad) 6:10 (1969) © rasailojaraid.com

مکاتب فقہ دورِ تقلید سے پہلے

ایک تاریخی مطالعہ

ڈاکٹر احمد حسن، ریسرچ فیلو ادارہ تحقیقات اسلامی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں فقہ یا اصول فقہ جیسے علوم موجود نہیں تھے۔ نہ آپؐ نے شرعی احکام کو احکام خمسہ (واجب، مندوب، حرام، مکروہ اور مباح) میں متاخر دور کی طرح تقسیم فرمایا تھا۔ یہ تقسیم درحقیقت فقہاء کی خود وضع کی ہوئی ہے، جنہوں نے قرآن مجید کی احکام سے متعلق آیات، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث، صحابہ کرام کے آثار وعمل اور صدر اسلام میں تعامل امت کی روشنی میں فقہی احکام مرتب کئے اور بعد میں فقہ کے اصول بنائے۔ متاخر دور میں اصولِ فقہ جب کلام سے متاثر ہوئے، اصول فقہ کی کتابیں کلامی انداز میں لکھی جانے لگیں، اور ان میں فلسفیانہ بحثوں اور موشگافیوں کا آغاز ہوا، اس وقت فقہی ادب میں اس تصور نے راہ پائی کہ مسلمان کا ہر عمل احکامِ خمسہ میں سے کسی ایک حکم کے اندر لازمی طور پر ہونا چاہئے۔ احکامِ خمسہ کی اصطلاح تو بہت بعد کی ہے، خود یہ تقسیم بھی مکمل طور پر تیسری صدی تک ہمیں نہیں ملتی۔ چوتھی صدی میں امام ابوبکر جصاص کے یہاں اس کے کچھ اشارے ملتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کی قانونی موشگافیاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہیں تھیں۔ صحابہؓ کی زندگی اور ان کا طرز فکر نہایت سادا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ان کے لئے ایک نمونہ تھی۔ انھوں نے احکام آپؐ کو دیکھ کر اور بعض اوقات آپ سے پوچھ کر سیکھے لیکن صحابہؓ کے ذہن میں اس وقت ان احکام کے ارکان اور آداب کی تقسیم نہیں تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جو مقدمات فیصلہ کے لئے لائے جاتے، ان سے صحابہؓ نظریاتی طور پر کوئی قانونی اصول مستنبط نہیں کرتے تھے لیکن بعد میں یہی فیصلے اسلامی نظام قضاء کے سلسلہ میں مقدمات کے فیصلوں کے لئے اہم اساس بنے اور ان سے اصول نکالے گئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی چونکہ صحابہ کے لئے ایک عملی نمونہ تھی۔ اس لئے انھوں نے آپؐ سے مسائل کے بارے میں بہت کم سوالات کئے ہیں۔ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات بعض صحابہؓ نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آپؐ سے کچھ نامناسب سوالات کئے۔ جن پر ان کو تنبیہہ کی گئی ۳۵ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سنت روایتی دور سے پہلے ایک مثالی طرز عمل بنی رہی، کیونکہ مثالی عملیت اس کے مزاج اور خمیر میں داخل تھی۔ صدر اسلام کے فقہاء نے اس کی اپنی اپنی جگہ مختلف تعبیرات کیں۔ صحابہؓ نے چونکہ آپؐ کے عمل ہی کو اپنے لئے عملی نمونہ بنایا۔ اور اس سے مسائل اخذ کئے، اس لئے بعض کبار صحابہ تک کو آپؐ کی زندگی میں بہت سے مسائل کی تفصیلات معلوم نہیں ہوسکیں ۳۶ آپؐ نے صحابہ کو جو احکام بتائے یا صحابہ نے آپؐ سے جو مسائل سیکھے، بعد میں فقہاء نے ان پر مزید تفریعات اور اضافے کئے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ان میں آپؐ نے امت کی سہولت کے لئے وسعت رکھی تھی، تاکہ آگے چل کر قیاس اور مزید تشریح و تعبیر سے ان سے مسائل استنباط کئے جاسکیں۔ بعض چیزیں اتنی عمومی تھیں کہ ان کا فیصلہ امت پر چھوڑ دیا گیا۔ اس لئے اسلامی قانون اپنے ابتدائی مرحلوں میں وسعت پذیر رہا۔ اور اس میں وہ جمود اور تنگی نہیں آئی تھی، جو اس کی تدوین کے بعد پیدا ہوئی۔ اس دورِ اجتہاد میں ہمیں بے شمار ایسی مثالیں ملتی ہیں جن میں مختلف فقہاء نے ایک ہی مسئلہ کا جواب متضاد طریقہ پر دیا ہے اور اس ابتدائی دور میں ان متضاد رایوں پر مسلمانوں کا عمل بھی رہا ہے۔ صحابہ کی زندگی سے بھی اس قسم کی شہادتیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ اس کا ایک سبب تو وہی تھا، جو ہم نے اوپر بیان کیا ہے۔ دوسرا یہ کہ بعض اوقات آپؐ نے ایک ہی مسئلہ کے مختلف جوابات دیئے اور غالباً اس سے آپؐ کا مقصود یہ ہوگا کہ ایسے مسائل عقل اور انسانی فہم کو کام میں لاکر خود حل کرے گی۔ اگر آئندہ آنے والے تمام مسائل کا حل ایک ایک کر کے آپؐ خود بتا دیتے۔ ایسا آپؐ نے نہیں کیا۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ امت قانون سازی میں عقل کے استعمال سے محروم ہو جاتی جس پر کہ قرآن مجید نے زور دیا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ احکام میں ان کی روح، اصل منشاء اور حقیقی قدر کا زیادہ لحاظ فرماتے تھے اور جب کبھی صحابہ نے ایک ہی حکم پر دو مختلف طریقوں سے عمل کیا تو آپؐ نے ان میں سے کسی کو باطل قرار نہیں دیا ۳۷ یہ بات اس لئے بھی معقول معلوم ہوتی ہے کہ خدا کے یہاں حکم فی نفسہ مقصود نہیں، بلکہ اس کی اطاعت مقصود ہے۔ اگر ایک حکم کی تعمیل، بشرطیکہ اس میں گنجائش ہو، مختلف طریقوں سے کی جاسکتی ہے تو کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ ایک ہی طریقہ پر مہر ثبت کر دی جائے۔ یہی وسعت پذیری بعد کے اختلافات کا مرکزی سبب بنی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ اسلامی دنیا کے مختلف حصوں میں پھیل گئے۔ ان میں بعض کو علم، تفقہ اور دین میں ممتاز مقام حاصل ہوا۔ اس لئے وہاں کے لوگ ان سے مسائل پوچھتے۔ اور وہ ان کا جواب کبھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عمل کی روشنی میں دیتے، اور کبھی اپنی رائے و فہم سے دیتے جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآن وسنت کی روح ومنشاء کو سمجھ کر وہ کسی خاص مسئلے میں قائم کرتے بعض اوقات وہ اشتراک علت سے مقدمات کا فیصلہ دیتے۔ ایک مرتبہ عبداللہ بن مسعود سے یہ مسئلہ دریافت کیا گیا کہ ایک عورت کے خاوند کا انتقال ہو گیا، لیکن اس نے نہ مہر مقرر کیا تھا اور نہ ہمبستری کی تھی، تو کیا اس عورت کو مہر دیا جائے گا؟ ابتداً حضرت عبداللہ بن مسعود نے جواب دیا کہ انھوں نے اس مسئلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بات نہیں سنی. لیکن جب ان کی شخصی رائے دریافت کی گئی تو انھوں نے جواب دیا کہ اس عورت کو مہر مثل ملنا چاہیئے. نیز وہ عورت عدت گزارے گی. اور ترکہ میں سے حصہ بھی ملے گا. کہا جاتا ہے کہ حضرت معقل بن سنان کو جب یہ معلوم ہوا تو انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس طرح اس مسئلہ کا جواب دیا تھا[6] لیکن اس مسئلہ کا جواب ابن عمر اور زید بن ثابت نے مختلف دیا ہے. وہ فرماتے ہیں کہ اس کو مہر نہیں دیا جائے گا، بلکہ اس کو ترکہ میں صرف حصہ ملے گا. فقہائے عراق عبداللہ بن مسعود کے فیصلہ کو مانتے ہیں اور ابن عمر و زید بن ثابت کے فیصلہ کو نہیں مانتے[7] احکام میں اس قسم کے تضاد کا جواب عام طور پر یہ دیا جاتا ہے کہ جن صحابہ نے حدیث کے خلاف فیصلہ کیا، ان کو غالباً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نہیں پہنچی ہوگی. ممکن ہے یہ بات صحیح ہو، لیکن ہم یہ سمجھتے ہیں کہ صحابہ قرآن وسنت کی روح ومنشاء کو سمجھ کر اپنی فہم وبصیرت سے فیصلے کرتے تھے. اس لئے جہاں واضح ہدایات موجود نہیں تھیں، وہاں اس قسم کا اختلاف ناگزیر تھا.

صحابہ کے درمیان فقہی مسائل میں اختلاف کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ کسی مسئلہ میں حدیث تو موجود ہوتی لیکن وہ قرآن مجید کے کسی حکم کے خلاف ہوتی. فاطمہ بنت قیس کی طلاق کا مسئلہ اس کی مثال میں پیش کیا جا سکتا ہے. روایت یہ ہے کہ فاطمہ بنت قیس نے حضرت عمر کے سامنے یہ بیان کیا کہ ان کے خاوند نے ان کو تین طلاقیں دی تھیں، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نہ نفقہ دلایا اور نہ مکان. حضرت عمرؓ نے ان کی بات سن کر یہ فرمایا: لانا خذ بقول امرأة، لاندری صدقت ام کذبت وندع کتاب اللہ[8] ہم ایک عورت کی بات نہیں مانتے، ہمیں نہیں معلوم کہ وہ سچ کہہ رہی ہیں یا جھوٹ. اس لئے ہم کتاب اللہ کو نہیں چھوڑ سکتے. غالباً حضرت عمرؓ کے ذہن میں قرآن مجید کی یہ آیت ہوگی جس میں عدت کے دوران نفقہ و سکنیٰ کا حکم بیان کیا گیا ہے. اسکنوھن من حیث سکنتم من وجدکم .... الخ (الطلاق: ۶) دلچسپ بات یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کا یہ جواب امام ابو یوسف نے نقل کیا ہے، اور اہل عراق کے درمیان معروف ہے. اس کے بالمقابل امام شافعی اور امام مالک کا عمل اس حدیث پر ہے جو فاطمہ بنت قیس نے بیان کی. وہ اس حدیث کو قرآن مجید کی آیت ۶۵: ۶ کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مخالف نہیں سمجھتے، بلکہ اس کو حاملہ عورتوں کی عدت پر محمول کرتے ہیں[۹]

خود قرآن مجید کی احکام سے متعلق آیات کی تعبیر و تشریح میں اختلاف کی بنا پر بھی صحابہ کے درمیان اختلافات ہوئے۔ آیات کی تفسیر عموماً لغت یا احادیث کی روشنی میں کی جاتی۔ لیکن چونکہ لغت میں ایک لفظ کے کئی معنی ہوتے، اور احادیث میں بھی اختلاف ہوتا، اس لئے احکام کی آیات میں اختلاف ناگزیر تھا۔ امام شافعی نے اس قسم کی چند مثالیں ایک جگہ جمع کر دی ہیں[۱۰] ان ہی میں سے ایک مثال ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔ قرآن مجید کی ایک آیت ہے:۔ والمطلقات یتربصن بانفسهن ثلاثة قروء[۱۱] جن عورتوں کو طلاق مل چکی ہو، ان کو چاہئے کہ تین قروء تک اپنے آپ کو روکے رکھیں۔ اس آیت میں قروء کا لفظ مجمل ہے۔ اس کے معنی حیض اور طہر دونوں کئے گئے ہیں۔ چنانچہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر، علی، ابن مسعود اور ابو موسیٰ اشعری اس سے مراد حیض لیتے تھے۔ بعد میں سعید بن المسیب، عطاء اور اہل عراق نے اس کے یہی معنی لئے ہیں۔ اس کے برخلاف حضرت عائشہ، زید بن ثابت اور ابن عمر قروء سے مراد طہر لیتے ہیں۔ اس اختلاف سے ظاہر ہے کہ عدت کی مدت میں فرق پڑ جاتا ہے۔ اسلام کے صدر اوّل میں فقہاء کے درمیان اس قسم کے مسائل میں جو اختلافات ہوئے، ان کا ایک سبب خود صحابہ کے درمیان اختلاف تھا۔

حدیث میں اختلاف کے بھی متعدد وجوہ تھے۔ ایک ہی مسئلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متضاد احادیث ملتی ہیں۔ اس لئے بعض صحابہ نے ایک کو اختیار کیا۔ بعض نے دوسری کو۔ یہ تضاد ربا کی احادیث میں موجود ہے۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ ربا صرف نسیئہ میں ہے۔ یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہے۔ لیکن حضرت عبادہ بن الصامت، ابو سعید خدری، عثمان بن عفان اور ابو ہریرہ کی روایت کے مطابق ربا چھ چیزوں میں بتلایا گیا، جبکہ بیع ہاتھوں ہاتھ ہو۔ ابن عباس کی روایت پر ان کے متبعین اور اہل مکہ کا عمل ہے۔ اس روایت کی بنیاد پر ایک درہم کے بدلے دو اور ایک دینار کے بدلے دو دینار لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ ایک روایت حضرت عبداللہ بن سعود سے بھی منسوب ہے، جس میں انھوں نے فرمایا کہ ایک درہم کے بدلے دو درہم لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اگرچہ خود ان کا اس پر عمل نہیں تھا۔ امام شافعی نے ربا کی احادیث میں تضاد کے کچھ جوابات دیئے ہیں[۱۲] حقیقت یہ ہے کہ فتوحات اسلام کے بعد جب صحابہ مختلف علاقوں میں پھیل گئے تو حدیث کی روایت میں بھی اختلاف بڑھ گیا۔ اور چونکہ اس دور میں رسل و رسائل اور آمد و رفت کی مشکلات تھیں، اس لئے مختلف علاقوں میں جو روایتیں پھیل چکی تھیں، ہر علاقہ میں ان پر اتفاق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہو سکا۔ اجماع کے سلسلہ میں اپنے ایک سابق مقالہ میں ہم یہ بتلا چکے ہیں کہ شام میں بعض روایتیں معروف تھیں اور ان پر عمل کی بنا پر ان کو سنت معروفہ سمجھا جاتا تھا، لیکن امام ابو یوسف نے ان کو شاذ کہہ کر رد کر دیا۔ تاہم وقت گزرنے کے ساتھ علاقائی اجماع نے شاذ روایتوں کو ختم کر دیا۔ اور امت کا انہیں روایتوں پر عمل رہا جو معروف تھیں۔

بعض اوقات کسی مسئلہ میں کسی صحابی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا علم نہ ہوتا، اس لئے وہ اپنی رائے سے فیصلہ دے دیتے، لیکن بعد میں علم ہوتا تو اس سے رجوع کر لیتے۔ امام شافعی نے ایسے متعدد مسائل نقل کئے ہیں، جن میں ابتداً حضرت عمرؓ نے اپنی رائے سے فیصلہ کیا۔ اور بعد میں حدیث معلوم ہونے پر اس سے رجوع کیا۔[13]

اختلاف کا ایک سبب یہ بھی ہوا کہ کسی مسئلہ میں صحابی کو حدیث تو معلوم ہوتی لیکن اس کا صحیح مفہوم ان کو معلوم نہ ہوتا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض چیزیں خاص سیاق و موقع و محل میں فرماتے، جو راوی کو یاد نہ رہتا اور محض روایت یاد رہ جاتی۔ اس کی مثال میں ابن عمر کی وہ مشہور حدیث پیش کی جا سکتی ہے، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میت کو قبر میں اس کے رشتہ داروں کے رونے کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے۔ حضرت عائشہؓ کو یہ حدیث معلوم ہوئی تو انھوں نے فرمایا کہ ابن عمر کو اس کے سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے یا وہ بھول گئے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک یہودی عورت کا انتقال ہو گیا تھا اور اس کے رشتہ دار اس پر رو رہے تھے۔ یہ دیکھ کر آپؐ نے فرمایا کہ میت پر تو قبر میں عذاب ہو رہا ہے اور اس کے اقربا اس پر رو رہے ہیں۔[14] بعض روایات میں یہ اضافہ بھی ہے کہ ابن عمر کی یہ روایت قرآن مجید کی اس آیت کے منافی ہے ولا تزر وازرۃ وزر اخری[15] یعنی ایک جان دوسری جان کا بوجھ نہیں اٹھائے گی۔ احکام کی حدیثوں میں اور بھی متعدد ایسی مثالیں ملتی ہیں، جن میں صحابی کو روایت معلوم تھی، لیکن وہ اس کا صحیح مفہوم نہیں سمجھ سکے۔ اور دوسرے صحابہ نے ان پر اعتراض کیا، لیکن اس روایت کی بنا پر بعض متقدمین فقہاء نے اسی کو اپنا مسلک بنا لیا۔

احکام سے متعلق مسائل میں صحابہ کے فیصلے زیادہ تر قرآن و سنت کے مطابق ہوتے۔ جہاں وہ اپنی رائے سے فیصلے دیتے، وہ بھی قرآن و سنت کی روح و منشاء کو لئے ہوئے ہوتے۔ صحابہ کے درمیان اختلافات ضرور تھے، جن کے اسباب شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنی بعض تصانیف میں تفصیل کے ساتھ بیان کئے ہیں۔ لیکن یہ اختلافات کتاب و سنت کی مجموعی تعلیمات اور ان کی روح سے ہٹے ہوئے نہیں تھے۔

صحابہ سے علم اخذ کرنے والے تابعین کے درمیان فقہی احکام سے متعلق اختلافات کا سبب بھی ایسے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہی امور تھے جو صحابہ کے درمیان اختلافات کا سبب بنے۔ تابعین کے علم کا ماخذ صحابہ کی روایت، ان کا عمل اور ان کے فیصلے واقوال تھے۔ اس دور میں بعض مزید کام بھی ہوئے۔ مثلاً متضاد حدیث کی روایتوں اور صحابہ کے متضاد فیصلوں میں مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کی گئی جہاں مطابقت نہ ہو سکی، ایک کو دوسرے پر ترجیح دی گئی۔ نیز صحابہ سے جو مواد ان کو ملا، اس کی بنیاد پر انھوں نے خود بھی شخصی اجتہاد کیا۔ اور درحقیقت فقہ اسلامی کا آغاز باضابطہ و مدون شکل میں تابعین کے دور سے ہی ہوا۔ [۱۶]

تابعین کے دور میں اسلامی دنیا میں اجتہاد کے تین مرکز ظہور میں آئے۔ یہ عراق، حجاز اور شام تھے۔ عراق میں بصرہ اور کوفہ اجتہاد کے لئے مشہور ہیں۔ ان میں سے کوفہ میں فقہ کے ارتقائی حالات نسبتاً زیادہ معلوم ہیں۔ اسی طرح حجاز میں مکہ اور مدینہ میں فقہاء شخصی اجتہاد کر رہے تھے۔ ان میں سے مدینہ مکہ کے مقابلہ میں تاریخ میں زیادہ ممتاز نظر آتا ہے، نیز مکہ کی فقہی تاریخ کے بارے میں ہمیں بہت کم معلومات ہیں۔ شام میں اجتہاد کی کیفیت کے بارے میں ہمیں کچھ امام ابو یوسف کی کتابوں سے معلومات ملتی ہیں۔ نیز امام اوزاعی کے اجتہادی نقطہ نظر پر ابن حزم اور امام ابن جریر طبری کی بعض تصانیف سے بھی روشنی پڑتی ہے۔ یہ بات واضح رہے کہ تاریخ نے ان علاقوں کے اس دور کے فقہاء کے شخصی حالات تو محفوظ رکھے ہیں، لیکن ان کے باہمی اختلافات، ان کے اجتہاد کے اصول اور ان کے دلائل صرف ان کی تصانیف سے ہی معلوم ہو سکتے ہیں، جو ہمارے پاس موجود نہیں ہیں۔ مصر کو ہم شخصی اجتہاد کا آزاد مرکز نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ یہاں کے فقہاء میں سے کچھ عراقی رجحان رکھتے اور ان کے اصولوں کے مطابق اجتہاد کرتے۔ اور بعض اہل مدینہ کے طرز پر سوچتے تھے۔ [۱۷] یوں تو تاریخ نے مصر کے بہت سے فقہاء کے نام محفوظ رکھے ہیں، تاہم اس دور کی فقہی کتابوں میں ہمیں امام لیث بن سعد (متوفی ۱۷۵ھ) کا نام کثرت سے ملتا ہے، جن کو امام مالک سے اختلافات تھے، انھوں نے جو خط امام مالک کو لکھا ہے اس سے لیث بن سعد کے آزاد شخصی اجتہادی نقطہ نظر پر روشنی پڑتی ہے۔ [۱۸]

ان مراکز اجتہاد نے علیحدہ علیحدہ اپنے فقہی رجحان اور مخصوص خطوط پر اجتہاد کیا۔ ہم ان کو اس بنا پر علاقائی مکاتب فقہ کہتے ہیں۔ آگے چل کر تیسری اور چوتھی صدی میں انھی علاقوں کے بعض فقہاء نے وہ ممتاز مقام حاصل کیا کہ مکتب فقہ بجائے علاقہ کے شخصی طور پر ان کی طرف منسوب ہو گیا۔ اور اسی وقت سے شخصی تقلید کا آغاز ہوا۔ اگرچہ اس کی ابتدا دوسری صدی کے اواخر سے ہو چکی تھی۔ اس پر ہم آگے چل کر مزید روشنی ڈالیں گے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان مراکزِ اجتہاد کے فقہاء کی فہرست بہت طویل ہے۔ ان کی تفصیل تاریخ کی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہے۔ یہاں ہم ان فقہاء کے نام ذکر کریں گے، جنہوں نے فقہی مسائل و احکام میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اور جن کے نام خاص طور پر ہمیں پہلی اور دوسری صدی کی فقہ کی کتابوں میں ملتے ہیں:۔

مکہ میں:۔ عطاء بن ابی رباح (متوفی ۱۱۴ھ)۔ عمرو بن دینار (متوفی ۱۲۶ھ)

مدینہ میں:۔ سعید بن المسیب (متوفی ۹۴ھ)۔ عروہ بن الزبیر (متوفی ۹۳ یا ۹۴ھ) ابوبکر بن عبدالرحمان (متوفی ۹۴ یا ۹۵ھ)۔ عبیداللہ بن عبداللہ (متوفی ۹۸ھ)۔ خارجہ بن زید (متوفی ۹۹ھ) سلیمان بن یسار (متوفی ۱۰۷ھ)۔ قاسم بن محمد (متوفی ۱۰۷ھ)

تاریخ میں ان فقہاء کو فقہاء سبعہ مدینہ[19] کہا جاتا ہے۔ کسی شاعر نے ان کے نام اس شعر میں جمع کر دیئے ہیں:۔

فخذهم عبید اللہ، عروة، قاسم — سعید، ابوبکر، سلیمان، خارجة

ان کے علاوہ چند نام یہ ہیں:۔

سالم بن عبداللہ بن عمر (متوفی ۱۰۶ھ)۔ ابن شہاب الزہری (متوفی ۱۲۴ھ) ربیعہ بن ابی عبدالرحمان (متوفی ۱۳۶ھ)۔ یحییٰ بن سعید (متوفی ۱۴۳ھ)۔ مالک بن انس (متوفی ۱۷۹ھ) اور ان کے معاصرین اس دور کے مدینہ کے آخری فقہاء ہیں۔

بصرہ میں:۔ مسلم بن یسار (متوفی ۱۰۸ھ)۔ الحسن بن یسار (متوفی ۱۱۰ھ)۔ محمد بن سیرین (متوفی ۱۱۰ھ)

کوفہ میں:۔ علقمہ بن قیس (متوفی ۶۲ھ)۔ مسروق بن الاجدع (۶۳ھ)۔ الاسود بن یزید (متوفی ۷۵ھ) شریح بن الحارث (متوفی ۸۰ھ)

کوفہ کے یہ تابعین فقہاء عبداللہ بن مسعود کے مشہور شاگرد اور ان سے براہِ راست علم اخذ کرنے والے سمجھے جاتے ہیں۔ کوفہ کے بقیہ مشہور فقہاء یہ ہیں:۔ ابراہیم النخعی (متوفی ۹۶ھ) النخعی (متوفی ۱۰۳ھ) حماد بن ابی سلیمان الاشعری (متوفی ۱۲۰ھ)۔

ابوحنیفہ اور ان کے معاصرین فقہاء کوفہ میں اس دور کے آخری فقہاء مجتہدین تھے۔

شام میں:۔ قبیصہ بن ذویب (متوفی ۸۶ھ)۔ عمر بن عبدالعزیز (متوفی ۱۰۱ھ)۔ مکحول (متوفی ۱۱۳ھ) امام الاوزاعی (۱۵۷ھ) اور ان کے معاصرین شام میں اس دور کے آخری فقہاء تھے۔[20]

ان علاقوں کے یہ فقہاء مجتہدین فقہی مسائل میں اپنے اپنے علاقے کی مشہور روایات، مقامی صحابہ کے عمل اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شخصی رائے کی بنیاد پر اجتہاد کرتے تھے۔ ہر علاقہ میں بعض فقہاء صحابہ موجود تھے، جو اس علاقہ کے مجتہدین کے علم کا ماخذ بنے۔ مثلاً مدینہ کے فقہاء حضرت عمرؓ، ابن عمرؓ اور حضرت عائشہؓ کی روایتوں کی بنیاد پر اجتہاد کرتے ہیں۔ کوفہ میں عبداللہ بن مسعود، حضرت علیؓ اور ان کے شاگردوں سے علم اخذ کیا گیا۔ ہر خطے میں یہ ایک عام رجحان تھا ورنہ ایسی مثالیں بھی بہت ہیں جہاں ایک علاقہ کے فقہاء دوسرے علاقے کے فقہاء صحابہ کا عمل استدلال میں پیش کرتے ہیں۔ اور اپنے علاقہ کی بعض روایات پر اعتماد نہیں کرتے۔

آزاد شخصی رائے کی بنیاد پر اجتہاد کرنے سے اجتہاد کے ان مراکز میں فقہی مسائل میں خود ایک ایک علاقہ کے فقہاء کے درمیان شدید اختلافات پیدا ہوئے۔ ان اختلافات کی تصویر ابن المقفع (۱۴۰ھ) نے اپنی تصنیف رسالہ فی الصحابہ میں ہولناک انداز میں کھینچی ہے۔ اس کا کچھ اقتباس ہم اپنے مقالہ "صدر اسلام میں اجتہاد" میں نقل کر چکے ہیں۔ امام شافعیؒ چونکہ شخصی رائے کے خلاف تھے، اور خبر الواحد کو اس کے مقابلہ میں اہم سمجھتے تھے۔ اس لئے انھوں نے بھی رائے کی مذمت کرتے ہوئے اجتہاد کے ان مراکز کے حالات پر روشنی ڈالی ہے۔ اپنے ایک مدنی مناظر سے دوران گفتگو میں وہ اس طرح مخاطب ہیں:۔

"تمہارا خیال ہے کہ علم صرف تمہارے ہی پاس ہے۔ جسے تم جائز کر دو، وہ جائز ہے اور جسے رّد کر دو وہ ناجائز ہے۔ تمہیں معلوم نہیں ہے کہ دوسرے علاقوں میں بھی تمہارے علاوہ (اہل علم) ہیں جو ان چیزوں کو جانتے ہیں۔ مسلمانوں کے ہر علاقہ میں علم پھیلا ہوا ہے ہر علاقہ کے لوگ اکثر مسائل میں اس کے کسی ایک آدمی کی بات مانتے ہیں۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اگر اہل مکہ عطاء کی تقلید کریں تو یہ ان کے لئے حجت ہے؟ عطاء جس حدیث کی موافقت کرتے ہیں۔ اہل مکہ بھی اس کی موافقت کرتے ہیں اور عطاء جس کی مخالفت کرتے ہیں، اہل مکہ بھی اکثر اقوال میں اسی کی مخالفت کرتے ہیں۔ کیا تمہارا خیال ہے کہ حسن بصری اور ابن سیرین اہل بصرہ کے لئے، اور شعبی اور ابراہیم نخعی اہل کوفہ کے لئے اور اسی طرح شام کے اہل علم وائمہ وہاں کے لوگوں کے لئے حجت ہیں؟ یا ان کے بعد کے لوگ جو اُن سے بھی بڑھے ہوئے ہوں"؟ [۲۱]

اجتہاد کے ان مختلف مراکز میں کثیر تعداد میں مجتہدین موجود تھے۔ اور ہر مجتہد اپنی قابلیت کی بنا پر ایک امتیازی شان رکھتا تھا۔ اس لئے تقریباً ہر علاقہ میں ہی ہر ایک مجتہد کے متبعین بھی پیدا ہو گئے تھے۔ اور اسی وقت سے فقہ میں تقلید کا آغاز ہوا۔ امام شافعی نے مختلف مقامات پر شخصی تقلید کی مذمت کی ہے۔ ہر علاقہ کے مجتہدین کے درمیان آپس میں علمی چشمک بھی پائی جاتی تھی۔ ذیل کے اقتباس سے اس پر مزید روشنی پڑتی ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امام شافعی اپنے ایک مناظر سے مخاطب ہیں :۔

" میں کہتا ہوں : (عالم اسلامی) کے ہر شہر میں اہل علم ہیں جو اپنے ہم صفت لوگوں پر فقہی مسائل میں اعتراض کرتے ہیں اور انہیں جہالت کی طرف منسوب کرتے ہیں یا دوسرے پر اعتراضاً کہتے ہیں کہ اس کو فتویٰ دینے کا حق نہیں ہے ۔ نہ کسی شخص کو اس کی بات ماننا چاہیئے ۔ تمہیں یہ معلوم ہے کہ ایک علاقہ کے فقہاء کے درمیان اختلافات ہیں ۔ یہ بھی جانتے ہو کہ ایک علاقے کے مجتہدین دوسرے علاقہ کے مجتہدین سے سخت اختلاف رکھتے ہیں ۔ ہم جانتے ہیں کہ اہل مکہ میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو عطاء کی مخالفت نہیں کر سکتے ۔ کچھ ایسے ہیں جنہوں نے ان کو (پیروی کے لئے) چن لیا ہے ، زنجی بن خالد بھی فقہی مسائل میں فتوے دیتے ہیں ۔ ایک گروہ ان کو فقہ میں مقدم سمجھتا ہے ۔ دوسرا گروہ سعید بن سالم کی طرف مائل ہے ۔ اور ان میں سے ہر ایک کے متبعین ایک دوسرے کی تضعیف کرتے ہیں اور اعتدال سے نکل گئے ہیں ۔ تم کو معلوم ہے کہ اہل مدینہ سعید بن المسیب کو مقدم سمجھتے ہیں اس کے باوجود وہ ان کے بعض اقوال کو نہیں مانتے ۔ ہمارے زمانہ میں اس علاقہ میں ممتاز مالک بن انس ہیں ۔ کچھ ان کو مقدم سمجھتے ہیں ۔ اور کچھ ان کے بارے میں زیادتی کرتے ہیں اور ان کے مسلک کی تضعیف کرتے ہیں ! ابن ابی الزناد کو میں نے دیکھا کہ ان کے مسلک کی مذمت میں وہ اعتدال سے بڑھ گئے ہیں ۔ نیز میں نے یہ دیکھا کہ مغیرہ ، ابن حازم اور دراوردی مالک کے مذہب پر چلتے ہیں اور کچھ ان کی مذمت کرتے ہیں ۔ کوفہ میں میں نے کچھ لوگ دیکھے جو ابن ابی لیلی کی طرف مائل ہیں اور ابو یوسف کے مذہب کی برائی کرتے ہیں ۔ اور کچھ ابو یوسف کی طرف مائل ہیں اور ابن ابی لیلی کی برائی کرتے ہیں اور ابو یوسف کی برائی نہیں کرتے ۔ کچھ سفیان ثوری کی طرف مائل ہیں اور کچھ حسن بن صالح کی طرف ۔"

" اہل مکہ تابعین میں عطاء بن ابی رباح کو مقدم سمجھتے ہیں ، اور ان کے بعض مخالف ابراہیم نخعی کو ۔ ہر علاقہ میں ایک مجتہد کے متبعین دوسرے کی مخالفت میں زیادتی سے کام لیتے ہیں ۔ . . . . میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ یہ بھی کہتا سنا کہ فلاں شخص کو عقل کی کمی اور جہالت کی وجہ سے فتویٰ دینے کا کوئی حق نہیں ہے ، . . . . اور فلاں شخص کے لئے اپنے علم و عقل میں فضیلت کی بناء پر خاموش رہنا جائز نہیں ہے ۔" [۲۲]

صدر اسلام کے ان مکاتب فقہ میں شخصی رائے کو بڑی قوت حاصل تھی ۔ اور اس دور کے فقہاء کے درمیان اختلافات کی بڑی وجہ یہی شخصی رائے تھی ۔ خلیفہ منصور نے غالباً اسی بڑھتے ہوئے اختلاف سے جو انتشار کی حد تک پہنچ رہا تھا ، گھبرا کر امام مالک سے ان کی موطا کو سرکاری طور پر نافذ کرنے کی درخواست کی تھی ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیکن امام مالک نے اس کو رد کر دیا[۲۳] کیونکہ مختلف علاقوں کے مجتہدین کے پاس بھی اپنے اپنے دلائل تھے اور ہر ایک علاقہ کے علم کا ماخذ خود صحابہ کو بتلایا جاتا تھا۔ دلیل کو دلیل سے تو توڑا جا سکتا ہے، لیکن طاقت سے نہیں دبایا جا سکتا۔ موطا کو سرکاری طور پر نافذ کرنا گویا دوسرے مجتہدین کے دلائل کو طاقت سے دبانا تھا۔ یہ واقعہ بہرحال اپنی جگہ جیسا بھی ہو، اس سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ فقہ اسلامی میں ابتدا ہی سے وسعت موجود رہی اور کسی ایک نقطۂ نظر کو اُمت پر کبھی مسلط نہیں کیا گیا۔

صحابہ و تابعین کے درمیان اختلافات کے اس مختصر تاریخی پس منظر کو پڑھ کر فقہاء کے درمیان مسائل پر اختلافات کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔ دوسری صدی میں حدیث آثار اور فتاویٰ کی تدوین سے اختلافات ختم نہیں ہوئے۔ بلکہ حدیث میں تضاد کے علاوہ خود صحابہ کے آثار اور ان کے عمل سے متعلق بھی متضاد روایتیں اس دور میں بیان کی گئیں۔ یہاں ہم اس کی چند مثالیں پیش کرتے ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ فجر کی نماز میں قنوت پڑھا کرتے تھے۔ ایک دوسری روایت کے مطابق انھوں نے کبھی قنوت نہیں پڑھی[۲۴] کہیں احادیث اور صحابہ کے آثار میں تضاد ملتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ مزارعت پر زمین دیتے تھے۔ اور ایک تہائی حصہ میں شریک کرتے تھے۔ لیکن ان کا یہ عمل بعض مرفوع احادیث کے جن میں مزارعت کی ممانعت آئی ہے، خلاف ہے[۲۵] بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں پر مسح فرمایا لیکن کچھ روایات ایسی ہیں جن میں حضرت علیؓ، عائشہؓ، ابن عباسؓ اور ابوہریرہؓ کا اس سے انکار مروی ہے[۲۶] روایات میں ایسے اختلافات بہت ہیں۔ تدوین کے بعد جیسے جیسے نئے نئے مجموعے تیار ہوتے گئے، اختلافات میں اضافہ ہوتا گیا۔ اور اس تضاد کو دور کرنے کے لئے نئے نئے اصول وضع کئے گئے۔ آگے چل کر روایات پر جمود نے اہل ظاہر اور اہل حدیث جیسے مکاتب فکر پیدا کر دیئے۔

روایات میں شدید اختلافات اور بعض اوقات تضاد کی بنا پر اس دور کے مجتہدین نے اجماع اور تعامل اُمت کو معیار قرار دیا۔ یہی وجہ ہے کہ امام شافعی سے پہلے مجتہدین تعامل امت اور معروف روایات پر زیادہ زور دیتے تھے اور عام طور پر انہی روایات سے استدلال کرتے ، جن کی تائید تعامل یا شہرت سے ہوتی[۲۷] چنانچہ امام مالک موطا میں الامر المجتمع علیہ عندنا اور السنۃ التی لا اختلاف فیہا عندنا وغیرہ اصطلاحات سے مراد علاقائی تعاملِ امت اور معمول بہا روایات لیتے ہیں۔ امام ابو یوسف کے یہاں بھی یہی چیز ملتی ہے۔ شاذ روایات سے بچنے اور معروف سنت پر عمل کرنے پر وہ بار بار زور دیتے ہیں۔ اسی طرح امام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اوزاعی امت کے تعامل اور آئمۃ الہدیٰ اور سلف کے طریقوں اور عمل سے استدلال کرتے ہیں[28] اس کے مقابلہ میں امام شافعی نے روایات پرکھنے کا یہ معیار نکالا کہ جو مرفوع حدیث صحیح اور متصل سند سے ثابت ہوجائے، اس کو بے چون وچرا تسلیم کرلیا جائے۔ علاقائی اجماع پر انھوں نے شدید اعتراضات کیے۔ اور روایت کے مقابلہ میں معروف سنت اور عمل کی تائید کو ضروری نہیں سمجھا۔ متاخر دَور کے مجتہدین نے بھی اسی کو معیار بنایا۔

صدر اسلام کے ان مکاتب فقہ میں آخری دَور کے مجتہدین کے نام مثلاً ابوحنیفہ، ابویوسف اور محمدؒ کوفہ میں۔ مالک بن انس مدینہ میں اور اوزاعی شام میں ہم عام طور پر سنتے ہیں۔ اور ان کے بارے میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ انھوں نے اپنے آزاد شخصی اجتہاد اور علم وفضل سے ایک خاص مدرسۂ فکر کی بنیاد ڈالی۔ اور ان کے پیش رو اُن کے مقابلہ میں اتنے مشہور نہیں ہوئے۔ شخصی تقلید کے دَور میں ان مجتہدین کے جو حالات لکھے گئے، ان سے یہ تاثر ہوتا ہے کہ اپنے اپنے علاقوں کے فقہی ماحول اور اجتہاد کی فضا سے یہ متاثر نہیں ہوئے، بلکہ ان کے مکاتب فکر خود شخصی قابلیت کے نتیجہ میں وجود میں آئے۔ یہ بات کلی طور پر درست نہیں ہے۔ ہر علاقائی مکتب فقہ کے مجتہدین عام مقامی طرز فکر اور طریقہ اجتہاد سے متاثر تھے۔ ان میں سے ہر مجتہد کے طریق استدلال میں اپنے اپنے مکتب فقہ کا عمومی رجحان جھلکتا ہے۔ مدینہ میں مثلاً امام مالک کے ظہور سے قبل اجتہاد میں ایک خاص طرز فکر اور رجحان پایا جاتا تھا، ان کے زمانہ تک صحابہ، تابعین اور خصوصیت سے حضرت عمرؓ، ابن عمرؓ، حضرت عائشہؓ اور فقہاء سبعہ مدینہ کے فتاوے اور شخصی اجتہادات نے ایک مخصوص طرز اجتہاد کی فضا پیدا کردی تھی۔ امام مالک نے بلاشبہ بعض مسائل میں اپنے پیش رو مجتہدین سے اختلاف کیا، تاہم ان کے اجتہاد میں وہ طرز فکر موجود تھا، جو اُن کے ظہور سے قبل مدینہ کی فضا میں راسخ ہوچکا تھا۔ اور اختلاف کے باوجود امام مالک اس سے نہیں بچ سکے تھے۔ یہی حالت عراق میں تھی۔ امام ابوحنیفہ سے پہلے ہی وہاں ایک مخصوص عراقی طرز فکر بن چکا تھا۔ انگلیوں کی دیت کے مسئلہ میں سعید بن المسیب سے جو یہ عقلی سوال کیا گیا کہ اس کی وجہ کیا ہے کہ انگلیوں کی تعداد زیادہ ہو تو دیت کی مقدار کم ہے لیکن جب تعداد کم ہو تو دیت کی مقدار زیادہ ہے۔ تو سعید بن المسیب نے یہ جواب دیا کہ یہ سنت ہے لیکن ساتھ ہی یہ طعنہ دیا کہ کیا تم عراقی ہو؟[29] یہ "عراقی" ہونا اسی مخصوص طرز فکر کی طرف اشارہ تھا۔ امام ابوحنیفہ اور ان کے شاگردوں سے پہلے عراق میں حضرت علیؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، علقمہ، الاسود، شعبی، ابراہیم نخعی وغیرہ مجتہدین کی شخصی آراء اور فتووں سے اجتہاد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں ایک خاص طرح کا رجحان قائم ہو چکا تھا۔ اور بعد کے لوگوں کو بھی اسے اپنانا پڑا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کوفہ کے فقہی ارتقاء میں امام ابوحنیفہ کے شخصی اجتہاد کا بھی بڑا حصّہ تھا۔ اور خود ان کا اثر دُور و نزدیک بہت پھیلا اور بعد میں عراق میں ان کی ذات ایک مظہر بن گئی جس میں عراقی اجتہاد کی روایت نمایاں ہوئی۔ مختصر یہ کہ ان علاقائی مکاتب فقہ کی قدیم سے اپنی اپنی اجتہادی روایت موجود تھی۔ اور اس بنیاد پر یہ قائم ہوئے۔ ان میں سے ہر علاقہ میں بعض ممتاز شخصیتوں کی عام طور پر تقلید شروع ہو گئی۔ اور اس علاقہ کے دوسرے مجتہدین کے ماننے والوں کے کم ہونے کی بنا پر صرف ان کے نام باقی رہ گئے۔ شخصی تقلید نے بڑھتے ہوئے اجتہاد کے رجحان کو ختم کر دیا۔ اس دَور کے مکاتب فقہ اور تقلیدی دَور کے مکاتب فقہ میں یہی بنیادی فرق ہے۔

اجتہاد کے مراکز میں جب مخصوص اجتہادی رجحانات کی داغ بیل پڑ چکی۔ اور تدریجاً ہر مرکز ایک طرز فکر کی نمائندگی کرنے لگا، تو شخصی اجتہاد کی اس فضا میں امام شافعی نے آنکھیں کھولیں۔ انھوں نے اپنے پیش رو مجتہدین کی تصانیف کا مطالعہ کیا۔ ان مکاتب فقہ کے کچھ مجتہدین کی شاگردی کی۔ اجتہاد و روایت حدیث کے مراکز کے سفر کرکے مختلف فقہاء و محدثین سے ملاقاتیں کیں۔ مدینہ اور عراق کے فقہاء سے خصوصیت کے ساتھ فقہی مسائل پر مباحثے کیے۔ کثیر مسائل میں ان کے نقطہ نظر سے اختلاف کیا۔ اور اجتہاد میں ان کا طرز فکر اور طریقۂ کار انھیں پسند نہ آیا۔ ان کے طریقۂ اجتہاد پر امام شافعی کو سب سے بڑا اعتراض یہ تھا کہ یہ مجتہدین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صریح حدیث موجود ہوتے ہوئے بھی کبھی آثار صحابہ سے استدلال کرتے ہیں۔ کبھی تعامل امت کو ترجیح دیتے ہیں، اور حدیث کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ مثلاً حدیث بیع بالخیار کے مطابق دونوں فریقوں کو تین روز تک اختیار باقی رہتا ہے۔ امام مالک اس حدیث کو نقل کرکے فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک اس سلسلہ میں کوئی معروف حد مقرر نہیں ہے۔ اور نہ کوئی چیز معمول بہ ہے[30] امام شافعی اپنے مناظروں میں ان فقہاء سے نہ صرف اختلاف کرتے ہیں اور ان پر وہ سخت برہم نظر آتے ہیں بلکہ ان پر طرح طرح سے طنزیہ اعتراض کرتے ہیں۔ روایت حدیث سے استدلال کی حمایت میں انھوں نے بڑے واشگاف الفاظ میں کہا: خدا کا شکر ہے کہ میں بلا خوف و تردد یہ سمجھتا ہوں کہ اگر کوئی چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہے تو میں اس کو نظر انداز کرنے کی جراءت نہیں کر سکتا۔ صحابہ و تابعین اس سلسلہ میں چاہے جس قدر بھی ہمارے مخالف ہوں۔[31] اس کے علاوہ امام شافعی نے آزاد شخصی رائے سے اجتہاد کرنے کی سخت مخالفت کی۔ ان کے خیال میں شخصی رائے ہوائے نفس کے مترادف ہے اور اسے ذریعہ اجتہاد بنانا قطعاً غلط ہے۔ اس لئے انھوں نے قیاس کے اصول وضع کیے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سنت کے معلوم کرنے کا ان کے خیال میں واحد ذریعہ روایت حدیث تھا، اس لئے انھوں نے روایتوں کے پرکھنے کے اصول بھی بنائے۔ اور اس طرح اجتہاد میں اپنا ایک امتیازی مقام حاصل کر لیا جو آگے چل کر ان کی طرف منسوب فقہی مدرسۂ فکر کی شکل میں ظاہر ہوا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ امام شافعی سے پہلے کے مجتہدین کو ترک سنت کا الزام نہیں دیا جا سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے خیال میں سنت معلوم کرنے کا تعامل امت اور اجماع خبر الواحد سے زیادہ معتبر ذریعہ تھا۔ اس کے برخلاف امام شافعی سنت کو صرف روایت کے ذریعہ معلوم کرنے کے قائل تھے۔ اس کو ہم تفصیل کے ساتھ اپنے دوسرے مقالہ "تصور سنت کا ارتقاء" میں پیش کر چکے ہیں۔ سنت بہر حال دونوں کے پیش نظر تھی۔

امام شافعی کا روایت پر زور دینے کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ ان کے دور سے پہلے حدیث مدون نہیں ہوئی تھی۔ ان سے پہلے جو مجموعے تیار ہوئے تھے، ان میں شخصی فتاوے، آثار اور اس دور کے مجتہدین کے انفرادی اقوال سب یکجا تھے۔ دوسری صدی کے اواخر سے یہ تحریک شروع ہوئی کہ حدیث کے مجموعے علیحدہ مرتب کئے جائیں۔ بلکہ صحیح معنی میں یہ کام تیسری صدی میں ہوا۔ اسی دور میں محدثین نے مختلف شہروں کے سفر کئے اور ایک ایک راوی سے پوچھ پوچھ کر حدیثیں جمع کیں۔ اس دور میں گو صحاح ستہ کے مجموعے وجود میں نہیں آئے تھے، لیکن حدیث کی روایت میں سرگرمی اور اس کی جمع و تدوین کا کام شروع ہو چکا تھا۔ چنانچہ امام شافعی اپنی تصانیف میں اہل الحدیث کی اصطلاح کثرت سے استعمال کرتے ہیں[۷۳] جس سے مراد فن حدیث میں ماہرین کا گروہ ہے۔ نہ کہ اہل الرائے فقہاء کے مقابلہ میں تنہا حدیث سے استدلال کرنے والا گروہ جو لبعد میں پیدا ہوا۔ اس دور میں روایت کی کثرت سے فقہاء اور بالخصوص امام شافعی نے خبر الواحد پر زور دینا شروع کیا جس کو متقدمین نے نظر انداز کر دیا تھا۔ اس سلسلے میں[۷۴] صرف معروف روایتوں سے استدلال کرتے تھے۔ یہاں سے یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ امام شافعی تعامل و اجماع کے مقابلہ میں حدیث کو کیوں زیادہ اعتماد کے قابل سمجھتے تھے۔ امام شافعی نے یہ کوشش بھی کی کہ حدیث کے ذریعہ وہ سارے اختلافات ختم ہو جائیں، جو مسائل میں شخصی رائے سے مختلف علاقوں کے فقہاء کے درمیان پیدا ہو گئے تھے۔ لیکن اس میں کامیابی نہیں ہو سکی کیونکہ حدیث میں خود اختلاف موجود تھا۔

اوپر ہم یہ بتا چکے ہیں کہ پہلی اور دوسری صدی میں شخصی تقلید کا آغاز نہیں ہوا۔ مختلف مراکز اجتہاد میں شخصی تقلید کے رجحانات کہیں دوسری صدی میں شروع ہوئے۔ یہ بات بھی ہم نے اوپر کہی ہے کہ یہ مکاتب فقہ باوجود فقہاء کے درمیان باہمی اختلافات کے مجموعی طور پر اپنے اپنے طرز فکر، طریق اجتہاد اور انداز استدلال میں ہم آہنگ تھے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور ہر مکتب فقہ ایک مخصوص طرز فکر کا آئینہ دار تھا۔ ہر مکتب فقہ نے بعض ممتاز شخصیتیں اپنے لئے مآخذِ علم بنائی ہوئی تھیں۔ چنانچہ دوسری صدی کے فقہی متون سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہ اپنا علم حماد کے واسطے سے ابراہیم نخعی سے اخذ کرتے ہیں۔ اور اکثر مسائل میں ان کی پیروی کرتے ہیں۔ مؤطا محمد میں امام محمد مآخذِ علم ابوحنیفہ کو قرار دیتے ہیں۔ اور اکثر ابواب کے اختتام پر یہ کہتے ہیں کہ یہی رائے ابوحنیفہ اور ہمارے عام فقہاء کی بھی ہے [33] امام ابویوسف اپنی تصانیف میں "ہمارے اصحاب" اور "ہمارے فقہاء" کی اصطلاحات استعمال کرتے ہیں۔ اور اکثر مسائل میں ان کی رائے سے تائید حاصل کرتے ہیں [34] امام شافعی کے حوالہ سے ہم اوپر نقل کر چکے ہیں کہ کوفہ میں کچھ لوگ ابویوسف کی پیروی کرتے اور کچھ ابن ابی لیلی کی۔ اس کے علاوہ امام شافعی نے بعض مقامات پر کچھ لوگوں کو ابوحنیفہ کا پیرو بتلایا ہے [35] مدینہ میں بھی یہی صورت حال تھی۔ دوسری صدی کے نصف آخر میں اکثر لوگ امام مالک کو ماخذِ علم سمجھتے، اور ان کی رائے کو اہل مدینہ کا اجماع تصوّر کرتے تھے [36] بعض اوقات اہل مدینہ صاف طور پر کہتے کہ ہم اپنے استاذ (صاحبنا) کی پیروی کرتے ہیں [37] امام شافعی اہل مدینہ کے ساتھ اپنے مناظروں میں "ان کے استاذ" اور کبھی "ہمارے اور ان کے استاذ لکھتے ہیں [38] خود امام ابویوسف بعض اوقات اہل مدینہ کو "اصحابنا من اهل المدينة" کہتے ہیں۔ ان مثالوں سے ہم یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ دوسری صدی کے آواخر میں ان علاقائی مکاتب فقہ میں شخصی تقلید کا میلان شروع ہو چکا تھا، اور ہر مکتب فقہ میں مختلف گروہ مختلف مجتہدین کی طرف مائل تھے۔

امام شافعی ذاتی طور پر شخصی تقلید کے مخالف تھے۔ انھوں نے اس کی صراحتاً مذمت بھی کی ہے [39] تاہم بعض اوقات اپنی نسبت وہ مدینہ کی طرف کرتے ہیں۔ اور اہل مدینہ کو "ہمارے ساتھی" اور امام مالک کو "ہمارے استاذ" کے نام سے یاد کرتے ہیں [40] لیکن جہاں وہ اہل مدینہ پر اعتراض کرتے ہیں، وہاں ان کے مکتب فکر سے اپنے آپ کو الگ سمجھتے ہیں۔ ممکن ہے کہ امام مالک کے شاگرد ہونے کی بنا پر وہ اپنے آپ کو مدینہ کی طرف منسوب کرتے ہوں، لیکن سچ پوچھئے تو انھوں نے اپنے آزاد شخصی نقطۂ نظر کی بنیاد پر ایک نئے مکتب فقہ کی بنیاد ڈالی۔ اس لحاظ سے مدینہ کے مکتب فکر سے ان کو کوئی نسبت نہیں۔ امام شافعی کے بعد تیسری صدی کے آواخر میں یہ علاقائی مکاتب فقہ آہستہ آہستہ ختم ہو گئے، اور ان میں جو گروہ شخصی تقلید کا میلان رکھتے تھے، وہ بڑھتے گئے۔ اور چوتھی صدی میں شخصی اجتہاد ختم ہو گیا، اور تقلید نے اس کی جگہ لے لی۔ اس دور سے شخصی مکاتب فقہ کا آغاز ہوتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حواشی و حوالہ جات

۱؎ پروفیسر سائمن وان ڈان برگ کا خیال ہے کہ اسلام میں احکام خمسہ کا اصول رواقی مکتب فکر سے ماخوذ ہے۔ ان کے یہاں بھی اس قسم کی تقسیم پائی جاتی ہے جو یہ ہے:۔ واجب (RECTE FACTUM) مندوب (COMMODUM)، مباح (MEDIUM) مکروہ (INCOMMODUM) اور حرام (PECCATUM)۔ ملاحظہ ہو۔ مصنف مذکور کی تصنیف، ابن رشد، تہافتہ التہافتہ۔ انگریزی ترجمہ۔ لندن ۱۹۵۴ء۔ ج ۲۔ ص ۱۱۷۔ یہی رائے یوسف شخت کی بھی ہے (این انٹروڈکشن ٹو اسلامک لا، آکسفورڈ ۱۹۶۴ء ص ۲۰)۔ یہ بات قابل لحاظ ہے کہ رواقی مکتب فکر میں احکام خمسہ کی نظیر کا پایا جانا اس بات کا قطعی ثبوت نہیں ہے کہ مسلمانوں نے اس کو وہاں سے لیا ہے، تاوقتیکہ اس سلسلہ میں ہمیں کوئی قطعی شہادت نہ مل جائے۔ خود فقہ اسلامی میں احکام خمسہ کا چوتھی صدی تک ارتقاء پایا جاتا ہے، جو اس بات کی شہادت ہے کہ یہ اصول اچانک کسی بیرونی تہذیب سے نہیں لیا گیا، بلکہ مسلمانوں کی اپنی فکر کا نتیجہ ہے۔ تاہم شام میں رومی تہذیب کے ساتھ اختلاط کی بنا پر اسلام میں اس تہذیب سے اخذ و استفادہ سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

۲؎ قرآن مجید سے، نیز بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ نے آپؐ سے صرف تیرہ مسئلے پوچھے۔ مقدمہ دارمی ص ۱۸۔ نیز ملاحظہ ہو۔ شاطبی۔ الموافقات، مطبوعہ قاہرہ۔ تاریخ طبع مذکور نہیں۔ ج ۱۔ ص ۸۹

۳؎ قرآن مجید۔ المائدہ : ۱۰۱

۴؎ امام ابو یوسف نے متعدد مثالوں سے یہ بات ظاہر کی ہے کہ حضرت عمرؓ کو بہت سے فقہی مسائل کا علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں نہیں ہوا، اور بعد میں انھوں نے وہ مسائل صحابہ سے دریافت کئے (ابو یوسف کتاب الخراج، مطبوعہ قاہرہ ۱۳۰۲ھ، ص ۱۳۔ ۲۰۔ ۲۵، ۱۰۶)

۵؎ اس کی مثال میں یہ واقعہ پیش کیا جا سکتا ہے کہ ایک جنگ کے موقعہ پر آپؐ نے صحابہ کی ایک جماعت کو حکم دیا کہ وہ عصر کی نماز وہاں ادا کریں جہاں بنو قریظہ مقیم ہیں۔ لیکن عصر کی نماز کا وقت راستہ میں ہی ہو گیا، اس لئے صحابہ کے درمیان اختلاف ہوا، بعض نے راستہ میں نماز ادا کر لی اور بعض نے وقت گزرنے کے بعد اپنی منزل مقصود پر پہنچ کر نماز ادا کی۔ جب یہ واقعہ آپؐ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپؐ نے سکوت فرمایا اور کسی ایک فریق کی نماز پر بھی باطل ہونے کا فتویٰ نہیں دیا۔ (ابن سعد۔ الطبقات الکبریٰ، بیروت ۱۹۵۷ء ج ۲ ص ۷۷) ابن حزم نے الاحکام فی اصول الاحکام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اس قسم کی متعدد مثالیں ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فصل میں جمع کر دی ہیں۔ جن سے احکام میں وسعت پذیری کی طرف آپ کا رجحان معلوم ہوتا ہے (ج ۵۔ ص ۷۲)

۶ ابو یوسف، کتاب الآثار، مطبوعہ قاہرہ ۱۳۵۵ھ، ص ۱۳۲۔

۷ محمد بن الحسن الشیبانی، موطا محمد، مطبوعہ دیوبند، تاریخ طباعت درج نہیں، ص ۲۴۹۔ ۲۵۰۔

۸ ابو یوسف، کتاب الآثار، محولہ بالا ایڈیشن، ص ۱۳۲۔

۹ مالک، موطا، مطبوعہ قاہرہ ۱۹۵۱ء، ج ۲، ص ۵۸۱۔ نیز شافعی، کتاب الام مطبوعہ قاہرہ ۱۳۲۲ھ ج ۵، ص ۲۱۹۔ ۱۰ شافعی، کتاب الام، محولہ بالا ایڈیشن، ج ۷، ص ۲۴۵ ۱۱ البقرہ : ۲۸

۱۲ شافعی، اختلاف الحدیث، برحاشیہ کتاب الام، ج ۷، ص ۲۴۱، ۲۴۳۔ نیز کتاب الام ج ۷، ص ۱۶۳ رسالہ شافعی مطبوعہ قاہرہ ۱۳۲۱ھ ص ۴۰ ۱۳ شافعی، اختلاف الحدیث، برحاشیہ کتاب الام ج ۷، ص

۱۴ مالک، موطا، محولہ بالا ایڈیشن، ج ۱، ص ۲۳۴۔ نیز شافعی اختلاف الحدیث، ص ۲۶۶۔ ۲۶۷ ۱۵ الانعام:

۱۶ اس سے ہماری مراد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کے دور میں فقہ منظم و مدون شکل میں موجود نہیں تھی، بلکہ تابعین نے اپنے اجتہاد سے اس قسم کے مجموعے تیار کئے۔ یہ بات واضح رہے کہ یہاں ہم تدوین حدیث سے متعلق گفتگو نہیں کر رہے۔ وہ ایک علیحدہ مسئلہ ہے۔ بعض مستشرقین تدوین فقہ اسلامی کو دوسرے رنگ میں پیش کرتے ہیں۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ صحابہ اور خلفاء راشدین کے بارے میں جو روایات فقہ اسلامی کے ارتقاء سے متعلق ملتی ہیں، وہ سب جعلی ہیں۔ فقہ اسلامی کی بنیاد کتاب وسنت رسول، اور صحابہ کے آثار وعمل پر نہیں بلکہ اس کی بنیاد بنو امیہ کے آخری دور کے قوانین اور اس دور کے مسلمانوں کے تعامل پر ہے۔ (ملاحظہ ہو یوسف شخت کا مقالہ: ماقبل اسلام کا پس منظر اور صدر اسلام میں فقہ اسلامی کا ارتقاء۔ لاء ان دی مڈل ایسٹ، مرتبہ مجید خدوری، مطبوعہ واشنگٹن ۱۹۵۵ء، ص ۴۰۔ ڈاکٹر شخت نے اسی بات کو اپنی مشہور کتاب مبادی فقہ اسلامی (انگریزی) میں مختلف مقامات پر بعض داخلی شہادتوں سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے)۔ مستشرقین یہ بات بھول جاتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مسلمانوں کے پاس قرآن مجید موجود تھا، اور اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بھی۔ جن مسائل کا جواب ان دو ماخذوں میں ان کو نہیں ملا ان میں انھوں نے اجتہاد کیا، جو یقیناً ان دونوں ماخذوں کی عمومی تعلیمات کے منافی نہیں تھا۔ تابعین کے دور میں اسی خام مواد پر مزید سوچا گیا، اور ان کے اپنے فتووں اور اجتہاد کے ذریعہ اس فن کا ارتقاء ہوا۔ اس لئے یہ بات قطعاً حقیقت کے خلاف ہے کہ فقہ کی بنیاد اموی دور کے تعامل پر ہے، کتاب وسنت پر نہیں۔

۱۷ امام محمد بن الحسن الشیبانی اپنی بعض تصانیف میں صرف تین مراکز اجتہاد کا ذکر کرتے ہیں: قال محمد رحمہ اللہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الشهيد اذا قتل فى المعركة لم يغسل ، ويصلى عليه فى قول اهل العراق واهل الشام وبه نأخذ۔ و فى قول اهل المدينه لا يصلى عليه۔ وممن قال ذلك بن انس (السیر الکبیر مع شرح السرخسی، مطبوعہ قاہرہ ۱۹۵۷ء، ج ۱، ص ۲۳۰) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام محمد کے زمانہ تک ان تینوں مراکز نے ہی فقہ میں اپنا خود مختار مقام حاصل کیا تھا۔ مصر کو یہ ممتاز مقام حاصل نہیں تھا۔ ورنہ امام محمد وہاں کے فقہاء کی رائے بھی نقل کرتے۔

۱۸ امام لیث کا یہ خط ابن قیم (متوفی ۷۵۱ھ) نے اعلام الموقعین میں نقل کیا ہے۔ نیز اس کا ذکر ان کی دوسری تصنیف الطرق الحکمیہ میں بھی ملتا ہے۔ لیکن تعجب ہے کہ اتنے اہم خط کا کوئی ذکر متقدمین نے نہیں کیا، اور نہ دوسری تیسری صدی کی فقہ کی کتابوں میں اس کا حوالہ ملتا ہے۔ تاہم تاریخی طور پر اس کو ثابت کرنے کے لئے یہ ایک اچھا تحقیقی موضوع ہے۔

۱۹ فقہاء سبعۃ المدینۃ کی اصطلاح دوسری تیسری صدی کی کتابوں میں نہیں ملتی۔ ابن سعد (متوفی ۲۳۰ھ) نے ان میں سے بعض فقہاء کے نام ایک جگہ گنائے ہیں، لیکن وہ یہ اصطلاح ذکر نہیں کرتے۔ (دیکھئے الطبقات الکبری، مطبوعہ بیروت ۱۹۵۷ء، ج ۵، ص ۴۴۳)۔ ابن الندیم (متوفی ۳۸۵ھ) نے ایک کتاب کتاب رأی الفقهاء السبعة من اهل المدينة وما اختلفوا فيه، کے نام سے ذکر کی ہے (الفہرست قاہرہ ۱۳۴۸ھ، ص ۳۱۵) جو ابن ابی الزناد (متوفی ۱۷۴ھ) کی طرف منسوب ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اصطلاح دوسری صدی ہجری کے وسط میں رائج ہو چکی ہوگی۔ لیکن چونکہ اس دور کی کتابوں میں یہ اصطلاح مفقود ہے، اس لئے ڈاکٹر شخت کا یہ خیال ہے کہ یہ اصطلاح ابن الندیم کی خود ساختہ ہے (مبادی فقہ اسلامی انگریزی ص ۲۵۰ نیز ص ۲۴۳-۲۴۴) مستشرق موصوف نے تو اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنے کی کوشش کی ہے کہ تاریخ میں فقہاء صحابہ، تابعین وغیرہ کے متعلق روایات سب جعلی ہیں۔ اس دور کے فقہاء کے بارے میں تاریخی بیانات کو اس نے خرافات بتایا ہے۔ بہر حال ڈاکٹر شخت کا یہ خیال صحیح بھی مان لیا جائے کہ یہ اصطلاح ابن الندیم کی خود ساختہ ہے، تب بھی اس کتاب کے نام سے یہ ضرور پتہ چلتا ہے کہ دوسری صدی ہجری کے وسط میں ایک ایسی کتاب لکھی گئی تھی جس میں مدینہ کے سات ممتاز فقہاء کی آراء کو جمع کیا گیا تھا۔ اور اس دوسری صدی کے وسط میں ابن ابی الزناد کے نزدیک مدینہ کے سات فقہاء نہایت اہمیت رکھتے تھے۔ اس کتاب کے نام سے اگر یہ نتیجہ اخذ کیا جائے، جو بلاشبہ معقول ہے، تو اصطلاح کے تقدم و تاخر کا مسئلہ غیر اہم ہوجاتا ہے، اور ڈاکٹر شخت کی دلیل ساقط ہوجاتی ہے۔ مسئلہ یہاں اصطلاح کا نہیں ہے،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بلکہ دوسری صدی میں فقہی سرگرمیوں کا ہے، جو اس دور کی کتابوں سے ثابت ہے۔

۲۰ے ڈاکٹر شخت ابراہیم نخعی (۹۶ھ) سے پہلے دور میں کوفہ میں فقہ کی روایتی تاریخ کو محض افسانہ اور خرافات قرار دیتا ہے! اس کے خیال میں عبداللہ بن مسعود، ان کے شاگرد اور قاضی شریح کے بارے میں فقہ کی تاریخ میں جو روایتیں مذکور ہیں، وہ سب جعلی ہیں۔ حسن بصری کو وہ ایک فقیہہ اور محدث کا درجہ نہیں دیتا۔ اس کی رائے میں فقہ و حدیث میں ان کا کوئی حصہ نہیں تھا۔ بلکہ یہ روایتیں بعد میں ان کی طرف منسوب کی گئی ہیں۔ چنانچہ وہ کوفہ میں فقہ کی ارتقائی تاریخ معلوم کرنے کے لئے اپنی تحقیقات کا آغاز ابراہیم نخعی سے کرتا ہے صحابہ کے بارے میں اس کا خیال ہے کہ وہ محدث (مشہور معنی میں) نہیں تھے۔ حضرت عمر اور ابن عمر کی طرف جو روایتیں فقہ و حدیث کے سلسلہ میں منسوب ہیں، ان کو وہ صحیح نہیں سمجھتا۔ اور مدینہ میں اپنی تحقیق کی ابتدا فقہاء سبعہ مدینہ کے دور سے کرتا ہے۔ (یوسف شخت، مبادی فقہ اسلامی، آکسفورڈ ۱۹۵۹ء ص ۲۲۹-۲۳۷، ۲۴۳-۲۴۴ وغیرہ)

ڈاکٹر شخت اس نتیجہ پر اس لئے پہنچا کہ اس نے اپنی تحقیق کا ماخذ ان فقہی متون کو بنایا ہے جو پہلی اور دوسری صدی میں لکھے گئے۔ فقہ اسلام پر تاریخ کی کتابیں اس کے نزدیک قابل اعتماد نہیں ہیں۔ نیز اس دور کی فقہ کی کتابوں میں جہاں صحابہ اور تابعین سے فقہی مسائل میں اجتہاد اور شخصی فتاوے مروی ہیں، ان کو اس نے داخلی شہادتوں سے جعلی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ مستشرقین کا عام طریقہ یہ ہے کہ اپنے نقطہ نظر کی مخالف روایتوں پر بڑی تنقیدی نظر ڈالتے ہیں اور کسی نہ کسی طرح ان کو جعلی ثابت کر دیتے ہیں، لیکن ان کے موافق جو روایتیں ملتی ہیں، ان کو صحیح تسلیم کر لیتے ہیں اور ان سے اپنا مفید مطلب نتیجہ اخذ کرتے ہیں۔ چنانچہ یہی ڈاکٹر شخت اپنے اس نقطہ نظر کی تائید میں کہ اسلام میں سنت کا تصور وہی ہے جو عربوں کا قبل اسلام میں تھا۔ ابو یوسف کی طرف منسوب ایک روایت پیش کرتا ہے، جو اُن کی کسی کتاب میں نہیں ملتی۔ بلکہ بلاذری نے فتوح البلدان میں ان کی طرف منسوب کی ہے۔ وہ یہ ہے: وقال ابو یوسف: اذا كانت فى البلاد سنة اعجمية فشكاها قوم الى الامام لمانيا لهم من مضرتها فليس له ان لغيرها (البلاذری، فتوح البلدان، قاہرہ ۱۹۳۲ء، ص ۳۵۴)۔ ملاحظہ ہو اس کا مقالہ ماقبل اسلام کا پس منظر اور صدر اسلام میں فقہ اسلامی کا ارتقا۔ لا ان دی مڈل الیسٹ، مرتبہ مجید خدوری۔ ابو یوسف کی طرف منسوب یہ روایت اس کے خیال میں صحیح ہے، چاہے ان کی اپنی تصانیف میں نہ ملے۔ اسی طرح اس نے عبد الملک کے نام حسن بصری کے خط کو مبادی فقہ اسلامی" میں مشکوک کہا ہے (ص ۷۴) لیکن اپنی مابعد تصنیف "این انٹروڈکشن تو اسلامک لا" لا تعارف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فقہ اسلامی)۔ ص ۱۷-۱۸ میں اس کو صحیح بتاکر یہ ثابت کیا ہے کہ سنت نبوی کا تصور اسلام میں ایک سو سال کے بعد آیا ہے۔ تحقیق کا یہ طریقہ ہمارے لئے قابل قبول نہیں ہے، اس لئے ہم اس کے اوہام کا کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ تاریخی روایات میں رطب و یابس ضرور ہوتا ہے، لیکن اس کو یکسر جعلی نہیں کہا جاسکتا۔ یا پھر کسی روایت پر ہی ہم قطعاً بھروسہ نہ کریں۔ اور روایت کو چھوڑ کر اپنی معلومات کے لئے کوئی نیا ذریعہ تلاش کریں۔

پہلی اور دوسری ہجری کے فقہی متون میں فقہائے صحابہ و تابعین کی اجتہادی رائے اور فتاوے ہمیں کثرت سے ملتے ہیں۔ اور ان کو ردّ کرنے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ نیز تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسری صدی میں احکام سے متعلق فتاویٰ اور آثار کے مجموعے تیار کئے گئے۔ ان میں صرف مرفوع احادیث ہی نہ تھیں، بلکہ احادیث کے ساتھ صحابہ کے اقوال، ان کا عمل اور ان کے فتاوے بھی تھے۔ اسی طرح اس دور کے تابعین کے اجتہادی مسائل پر فتاوے جمع کئے گئے۔ ان مجموعوں کا اندازہ کچھ موطا مالک اور کتاب الآثار سے لگایا جاسکتا ہے جو زمانہ کی دست برد سے محفوظ رہ گئے ہیں۔ روایات کے مطابق دوسری صدی ہجری میں مندرجہ ذیل لوگوں نے احکام سے متعلق احادیث و فتاوے جمع کئے تھے۔

مکہ میں ابن جریج (۱۵۰ھ) و ابن اسحاق (۱۵۱ھ)، مدینہ میں سعید بن ابی عروبہ (۱۵۶ھ)، ربیع بن صبیح (۱۶۰ھ) اور مالک بن انس (۱۷۹ھ)، بصرہ میں حماد بن سلمہ (۱۷۶ھ)، کوفہ میں سفیان ثوری (۱۶۱ھ) شام میں اوزاعی (۱۵۶ھ)، واسط میں ہشیم (۱۸۸ھ)، خراسان میں عبداللہ بن مبارک (۱۸۱ھ) یمن میں معمر (۱۵۳ھ)، رے میں جریر بن عبدالحمید (۱۸۸ھ) نیز سفیان بن عیینہ (۱۹۸ھ)، لیث بن سعد (۱۷۵ھ) اور شعبہ بن الحجاج (۱۶۰ھ)۔ (دیکھئے مصطفی السباعی، السنۃ و مکانتہا فی التشریع الاسلامی، مطبوعہ قاہرہ ۱۹۶۱ء (ص ۱۲۳)۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر صحابہ و تابعین کا فقہ اسلامی کے ارتقاء میں کوئی حصہ نہیں تھا تو احکام سے متعلق روایات اور اجتہادی مسائل میں فتاوے کے مجموعے کہاں سے آگئے؟

۲۱ شافعی، کتاب الام، محولہ بالا ایڈیشن، ج ۷، ص ۲۴۶۔ ۲۲ ایضاً ص ۲۵۶-۲۵۷۔

۲۳ ابن عبدالبر، جامع بیان العلم وفضلہ، قاہرہ، تاریخ طباعت مذکور نہیں۔ ج ۱۔ ص ۱۳۲۔ نیز الامامۃ والسیاسۃ (ابن قتیبہ)۔ قاہرہ، تاریخ طباعت درج نہیں۔ ج ۲۔ ص ۱۵۵۔ یہ روایت تاریخ کی مختلف کتابوں میں منصور، ہارون الرشید اور خلیفہ مہدی کی طرف منسوب ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ ان تینوں خلفاء نے اپنے اپنے دور میں امام مالک سے بار بار اس کی درخواست کی ہوگی۔ روایات میں اس اختلاف کی بنا پر ڈاکٹر شخت نے اس کو جعلی بتایا ہے (ملاحظہ ہو مقالہ "مالک"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دی شارٹ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام)

۲۴ شافعی، کتاب الام، محولہ بالا ایڈیشن، ج ۷۔ ص ۱۲۹۔ نیز دیکھیے ابو یوسف، کتاب الآثار، قاہرہ ۱۳۵۵ھ ص ۷۰۔ ۷۱ (محمد بن الحسن الشیبانی، کتاب الآثار۔ (مع اردو ترجمہ) کراچی (قرآن محل) ص ۱۱۲۔ ۱۱۳)

۲۵ ابو یوسف، کتاب الخراج، محولہ بالا ایڈیشن، ص ۵۰۔ ۵۱۔

۲۶ شافعی، کتاب الام، محولہ بالا ایڈیشن، ج ۷، ص ۲۴۵۔ نیز شافعی، اختلاف الحدیث برحاشیہ کتاب الام۔ ج ۷، ص ۷۴۔

۲۷ صدر اسلام کے ان مکاتب فقہ اور امام شافعی نے جو مکتب فکر قائم کیا، ان دونوں کے طریقِ اجتہاد میں بعض اہم فرق تھے۔ ہم نے اس فرق کو اپنے ایک سابق مقالہ "امام شافعی اور اصول فقہ" میں کچھ واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔

۲۸ ابو یوسف، الرد علی سیر الاوزاعی، مطبوعہ قاہرہ، تاریخ طباعت درج نہیں۔ ص ۱۔ ۵۔ ۲۰۔ ۲۴۔ ۳۰۔ ۶۔ ۷ وغیرہ۔ ۲۹ مالک، موطا، محولہ بالا ایڈیشن، ج ۲، ص ۸۶۰۔

۳۰ ایضاً ج ۲، ص ۶۷۱۔ ۳۱ شافعی، کتاب الام۔ محولہ بالا ایڈیشن، ج ۷، ص ۲۴۷۔

۳۲ ایضاً ص ۱۰۲۔ ۱۴۷۔ ۲۱۱۔ ۳۳۸

۳۳ محمد بن الحسن الشیبانی، موطا، مطبوعہ دیوبند۔ تاریخ طباعت مذکور نہیں۔ ص ۶۸۔ ۷۱۔ ۷۸ وغیرہ

۳۴ ابو یوسف، کتاب الخراج، محولہ بالا ایڈیشن، ص ۳۴۔ ۹۹۔ ۱۰۱ وغیرہ

۳۵ شافعی، کتاب الام، محولہ بالا ایڈیشن ج ۷، ص ۲۰۷

۳۶ 〃 〃 〃 〃 ص ۲۴۰۔ ۲۵۷

۳۷ 〃 〃 〃 〃 ص ۲۳۰

۳۸ ایضاً ۱۱۰۔ ۱۷۰۔ ۱۹۴۔ ۲۷۵۔ نیز اختلاف الحدیث برحاشیہ کتاب الام ج ۷ ص ۳۴۔ ۳۵

۳۹ ابو یوسف، کتاب الخراج، محولہ بالا ایڈیشن، ص ۵۰

۴۰ شافعی، جماع العلم، مطبوعہ قاہرہ ۱۹۴۰ء، ص ۱۲۔ نیز رسالہ شافعی، محولہ بالا ایڈیشن ص ۸

۴۱ شافعی، کتاب الام، محولہ بالا ایڈیشن، ج ۷۔ ص ۱۷۰۔ ۱۹۴۔ ۲۷۵

© rasailojaraid.com